

دربار!

صرف سات صدیوں پہلے کی بات ہے۔ اس خطے، زمین جہاں آج ہم سانس لے رہے ہیں، خوشی سے یا مجبوری سے۔ یا شاید سانس لے ہی نہیں رہے۔ دہلی کے دربار شاہی پر سلطان جلال الدین خلجی پوری طاقت کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ شاہی حکم کے بغیر پرندہ بھی دم نہیں مارتا تھا۔ سلطان معظم کا داماد اور حد درجہ اعتماد حاصل کرنے والا عزیز، علاؤ الدین دہلی کے نزدیک دریائے گنگا کے کنارے براجمان تھا۔ لوٹ مار اور ظلم سے حاصل کیے گئے فقید المثل خزانہ اور مضبوط فوج کے ساتھ۔ سلطان کو دعوت دے رہا تھا کہ آئیے۔ آپ کی خدمت میں ہیرے جواہرات اور موتیوں کا خزانہ پیش کرنا ہے۔ بھلا میرا آپ جیسے عظیم آدمی سے کیا جھگڑا۔ کہاں سلطان اور کہاں یہ ادنیٰ سا غلام۔ جلال الدین زیرک بادشاہ تھا۔ اسے علاؤ الدین پر حد درجہ بھروسہ تھا۔ اسکے وفادار اور سیانے سردار جانتے تھے کہ علاؤ الدین کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مگر وہ بھی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ بھانجا اپنے سگے ماموں اور سرسرمحترم کو قتل کر سکتا ہے۔ مشاورت کیلئے جب شاہی دربار لگا۔ تو علاؤ الدین کے چھوٹے بھائی، الماس بیگ نے حد درجہ جذباتی تقریر کی۔ لب لباب تھا کہ سلطان بڑے آرام سے گنگا عبور کر کے اپنے باصلاحیت برخوردار عزیز سے مل سکتا ہے۔ اس نے یہاں تک کہا کہ اگر سلطان استقبال کیلئے خود نہ گئے، تو شرمندگی سے عزیزم علاؤ الدین خودکشی کر لیگا۔ وہ تو انکا لگایا ہوا پودا ہے۔ بچہ ہے۔ بھلا وہ کیسے غداری کر سکتا ہے۔ طاقت کے کھیل میں کون کس پر اعتماد کرے۔ یہ بات سلطان بخوبی جانتا تھا۔ مگر اپنے چند درباریوں کے کہنے پر باتوں میں آ گیا۔ فیصلہ کیا کہ ہاں، وہ تو میرا داماد ہے۔ قریبی عزیز بھی ہے۔ بھلا اس سے کیا ڈرنا۔ سلطان نے چند محافظ ساتھ لیے۔ سچی ہوئی کشتی پر دریا عبور کیا۔ وہاں علاؤ الدین بازو دکھولے، بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ چہرے پر لجاجت اور عاجزی تھی۔ بالکل ساتھ ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے آبنوی صندوق پڑے ہوئے تھے۔ جو سلطان کو تحفہ میں دیے جانے تھے۔ جلال الدین یہ سب کچھ دیکھ کر حد درجہ خوش ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کہ اپنے ہی قریبی عزیز کی وفاداری پر شک کیا۔ شاہانہ طریقے سے علاؤ الدین کے پاس گیا۔ سلطان حد درجہ مسرت سے چل رہا تھا۔ سامنے، علاؤ الدین، انکساری کا پیکر بنا بغلگیر ہونے کیلئے غلامانہ طریقے سے کھڑا ہوا تھا۔ سلطان سے حد درجہ تپاک سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ کے ہاتھ کو مروت سے بوسہ دیا۔ اسکے سامنے عاجزی سے سر جھکا دیا۔ جیسے ہی دہلی سلطنت کے بادشاہ نے باہیں کھول کر اپنے لعل کو گلے سے لگایا۔ علاؤ الدین نے حد درجہ پھرتی سے خنجر نکالا اور سلطان کا سر کاٹ کر گنگا میں پھینک ڈالا۔ سلطان کا لاشہ تڑپ رہا تھا اور عین اسی وقت علاؤ الدین خلجی کے بادشاہ بننے کے نقارے بجنا شروع ہو گئے۔ چند گھنٹیاں پہلے جو شخص سلطان تھا۔ اسکی لاش میدان میں بے کفن پڑی ہوئی تھی۔ کوئی اس پر تھوک رہا تھا۔ کوئی ٹھڈے مار رہا تھا۔ نئے سلطان کی سرفرازی کے اعلان کیے جا رہے تھے۔ وہی سردار، جو پرانے سلطان کا حد درجہ وفادار تھے۔ اب علاؤ الدین کے سامنے کورنش بجا کر غلاموں کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ پرانے بادشاہ کا سر نیزے کی نوک پر رکھ کر پورے لشکر اور اسکے بعد دہلی شہر میں گھمایا جا رہا تھا۔ علاؤ الدین، سابقہ بادشاہ کا سگ بھانجا اور داماد تھا۔ اسکے بعد بیس برس وہ پورے ہندوستان پر دبدبے سے حکومت کرتا رہا۔ طاقت کے کھیل کا اندازہ تھا اور اسے معلوم

تھا کہ اس خوفناک کھیل میں صرف ذاتی مفادات ہوتے ہیں۔ اصول، کردار کی بلندی اور اخلاقیات کا دربار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

یہ واقعہ چند صدیاں پرانا ضرور ہے۔ مگر یہ آج بھی اتنا ہی کارگر ہے جتنا سات سو سال پہلے۔ خطہ وہی، زمین وہی، زمین کی تاثیر وہی۔ لوگ اسی طرح کے اور انکی خصلت بھی بالکل وہی۔ یعنی ہر چیز بالکل اسی طرح کی ہے، جس طرح ماضی میں تھی۔ معلوم نہیں، کسی کو یہ یکسانیت عجیب نہ لگے۔ مگر مجھے یہ اہتر مماثلت حد درجہ منفرد اور اہم نظر آتی ہے۔ ویسے لوگوں کی مفلوک الحالی بھی اسی طرح کی ہے۔ واقعہ بیان کرنے کا واحد مقصد صرف ایک ہے کہ ہم نے آزاد ملک حاصل کر لیا۔ مگر معذرت کے ساتھ ذہنی، فکری، سماجی اور لسانی غلامی سے باہر نہیں نکل سکے۔ تہتر سال سے ہمارے ملک میں اقتدار کا کھیل بالکل ایسے ہی ہے، جیسے ہزاروں برس قبل تھا۔ صرف شکلیں تبدیل ہوئی ہیں۔ تھوڑے سے طور طریقے اور لباس میں بھی فرق آیا ہے۔ دربار کا کھیل جتنا سفاک پہلے تھا، آج بھی بعینہ اتنا ہی سفلی ہے۔ غریب کے حالات نہ پہلے کبھی اچھے تھے اور نہ آج بھی ان میں کچھ بہتری آئی ہے۔ روایتی مجبوری بھی جوں کی توں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اب ملک میں جمہوریت ہے۔ ایک آئین بھی ہے۔ سنا ہے کہ نظام عدل بھی ہے۔ مگر اس کا جواب کیا ہے۔ کہ جمہوریت صرف اور صرف پیسے والوں کا کھیل ہے۔ اشرافیہ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ ہمارے پاس تو اصل اشرافیہ بھی موجود نہیں ہے۔ الیکشن کا مطلب کیا ہے۔ چند ماہ کیلئے غریبوں میں پیسہ بانٹو، چند دانشوروں کی صلاحیت کو خریدو، کرائے کے غنڈوں سے اپنا رعب ظاہر کرو اور اسکے بعد صرف دولت کے زور پر ایوان میں براجمان ہو جاؤ۔ پھر غریبوں کیلئے تقاریر، انصاف اور قانون کی بالادستی، ووٹ کو عزت دو کے باکر دار نعرے اور کسی بھی تاخیر کے بغیر اچھی اچھی باتیں کرو۔ یہ ہماری جمہوریت کی اصلیت ہے۔ اور یہی دربار شاہی کے آداب ہیں۔ کوئی بھی کسی کا سگ نہیں ہے۔

لوگ حد سے زیادہ پوچھتے ہیں کہ سیاست پر کیوں نہیں لکھتا۔ خود بتائیے کہ کیا لکھوں۔ کیونکر لکھوں۔ اندرون خانہ حالات جاننے کے بعد زبان کنگ ہو چکی ہے۔ اور ذہن مکمل منجمد۔ اتنا جھوٹ، اتنی دروغ گوئی۔ اب تو خدا کی پناہ والا محاورہ استعمال کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ پچھلے پندرہ بیس برس کے حالات کو بغور دیکھیے۔ انہیں دلیل کی کسوٹی پر پرکھیے۔ کسی تعصب کے بغیر سوچیے۔ آپ کو کون سا اصول کارگر نظر آتا ہے۔ صرف یہی کہ ملک کا بااختیار صدر یا وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ کس طرح مسلسل در مسلسل قائم رہتا ہے۔ اسکے علاوہ کوئی اور نکتہ ہے تو طالع علم کی رہنمائی فرمائیے۔ شائد میں ہی غلط سوچ رہا ہوں۔ نواز شریف تین مرتبہ وزیر اعظم رہے۔ اس سے پہلے پورے پانچ برس وزیر اعلیٰ پنجاب رہے۔ انکے برادر خورد، شہباز شریف چار بار وزیر اعلیٰ پنجاب رہے۔ عرصہ ذہن میں رکھیے۔ یعنی شریف خاندان دہائیوں برسر اقتدار رہا۔ انکی دولت اور طاقت کے سامنے تمام ادارے سرنگوں تھے۔ کیا عدلیہ اور کیاریاستی ادارے۔ سب کچھ انکے ہاتھ میں رہا۔ اسے اقتدار گل کہا جاسکتا ہے۔ مگر کیا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اس لگا تار حکومت بلکہ بادشاہت نے پاکستان کو کیا فیض پہنچایا۔ کیا واقعی ہم لوگ صحت اور تعلیم کے میدان میں یکتا ٹھہرائے گئے۔ کیا عام آدمی کے معاشی حالات حد درجہ بہتر ہو گئے۔ کیا روزگار، بغیر پیسے دیے ملنا شروع ہو گیا۔ کیا پٹور اور تھانے کی جیرہ دستیوں سے عام آدمی محفوظ ہو گیا۔ آگے لکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ کیونکہ قلم سے چند ایسے الفاظ لکھے جاسکتے ہیں۔ جن سے جزوی طوفان کھڑا ہوگا۔ مگر ایک کام ضرور ہوا۔ ان لوگوں کے حواری جو پہلے سائیکلوں پر پھرتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے

ارب پتی ہو گئے۔ ہر شہر میں ان درباریوں کی اپنی اپنی ہوشربا داستانیں ہیں۔ جنہیں تمام لوگ جانتے ہیں۔ مگر خوف کی وجہ سے بات نہیں کر سکتے۔ میرادل دکھتا ہے۔ جب یہ سب کچھ دیکھتا ہوں اور پھر ضبطِ تحریر کرتا ہوں۔ سندھ کی طرف دیکھیے۔ غریبوں کی ترجمان جماعت، وہاں ہمیشہ سے برسرِ اقتدار ہے۔ ٹھیک پندرہ برس پہلے ییلو کیب پر براجمان سیاستدان، زرداری صاحب کے سنہرے ہاتھ سے اس درجہ فیضیاب ہوئے کہ اب محلات کے مالک ہیں۔ عوام کی حالت جہاں پہلے دگرگوں تھی، آج کسی بھی غیر متعصب پیمائش کے مطابق بہتر نہیں ہو پائی۔ ہاں نعرے، بیان بازی اور اعلانات عروج پر ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی عظیم سیاسی جماعت آج اتنی سکرچکی ہے کہ بالکل یقین نہیں آتا۔ مگر ایک بات بالکل عیاں ہے۔ جو فریق حکومت سے باہر ہے، وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے کہ اسے حکومت میں کسی بھی طور لایا جائے۔ جو سیاسی جماعت، ایک صوبہ پر اکتفا کر کے دولت سمیٹ رہی ہے، وہ کسی قیمت پر مسندِ شاہی چھوڑنے کیلئے تیار نہیں۔ ویسے ان لوگوں کو پتہ ہے کہ اگر صوبائی حکومت ہاتھ سے نکل گئی اور خدا نخواستہ کوئی سیاسی مخالف، صوبائی اقتدار حاصل کر گیا، تو انکی ناجائز دولت کی وہ وہ دیومالائی کہانیاں سامنے آئیگی کہ لوگ دیواروں سے ٹکریں ماریں گے۔ مجھے تھوڑی سی معلومات ہیں۔ مگر عرض کرنا دشوار سمجھتا ہوں۔ اسلیے کہ ذہن ان سیاسی سوداگروں کی تجارتی اہلیت دیکھ کر ماؤف ہو جاتا ہے۔

تحریک انصاف کی طرف کسی قسم کا کوئی جھکاؤ نہیں۔ ان لوگوں کی دو ڈھائی سال کی کارکردگی ہرگز ہرگز تسلی بخش نہیں۔ سابقہ حکمرانوں کی طرح یہ لوگ کسی قسم کا انتخابی وعدہ پورا نہیں کر سکے۔ حکومتی عمال جس طرح سب کیلئے پہلے آزار تھے۔ آج بھی عام آدمی انکی ٹھوکروں میں ہے۔ رشوت، بے ایمانی آج بھی عروج پر ہے۔ سرکاری تبادلوں میں پیسے کا لین دین بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسے پہلے تھا۔ عرض یہ کہ آج کی تاریخ تک غریب یا سفید پوش طبقے کیلئے کوئی خیر کی خبر نہیں ہے۔ مگر ایک فرق ضرور آیا ہے۔ دونوں سیاسی فریقین جو حکومت کرنے کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ آج تھوڑے سے پریشان ہیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا کہ ایک تیسرا فریق مسندِ شاہی پر براجمان ہے۔ اور وہ گرم ہوا کے بگولوں میں بے حال ہیں۔ غریب کی حالت کا کیا ذکر کرنا۔ وہ تو صدیوں سے ایک جیسی ہے۔ مگر دربارِ شاہی کے آداب بالکل پرانے ہیں۔ آج بھی کوئی نہ کوئی علاؤ الدین، کسی نہ کسی سلطان کے سر پر نظر جمائے بیٹھا ہے۔ بلکہ مجھے تو بہت سے علاؤ الدین کی طرح کے کردار نظر آتے ہیں۔ ہر ایک نے زہر سے بھرے خنجر، شاہی قباء میں چھپائے ہوئے ہیں۔ ہر ایک دربار میں دوسرے کی گردن زنی پر آمادہ ہے۔ بادشاہ کے شاہی بجرے سے نکلنے کی دیر ہے۔ گردن کاٹنے کا عمل شروع ہو جائیگا۔ یہی اس ملک کی سیاست ہے اور یہی ہمارا نصیب!

راؤ منظر حیات